زینت رشید

سیرتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں

"اصلاحِ معاشرہ کے لئے تجاویز"

اسلام دینِ فطرت ہے، اس نے انسان کے اجتماعی شعور کو ملحوظ رکھا ہے۔ اسلام انسانوں کے باہمی میل جول سے پیدا ہونے والی اجتماعیت کو تسلیم کرتا ہے۔ اس اجتماعیت کے نشو و نما میں معاونت کرتا ہے۔ اسے ایسے فطری اصول دیتا ہے جن سے اجتماعیت کو تقویت ملے۔ اس کے لئے صالح بنیادیں فراہم کرتا اور ایسے عوامل کا قلع قمع کرتا ہے جو اسے بگاڑ دیں یا محدود اور غیر مفید بنادیں۔ اسلام فرد کی انفرادیت کو بنیاد قرار دیتا ہے اور اجتماعیت کو بالآخر فرد ہی کی فلاح و صلاح کا وسیلہ قرار دیتا ہے۔ فرد اجتماعی زندگی کے لئے جو جمعیتیں بناتا ہے۔ اسلام اس کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ ان کے لئے اصول و قوانین فراہم کرتا ہے۔ مفید اور غیر مفید جمعیتوں کی تمیز سکھاتا ہے اور صحیح جمعیتوں کی حدود و قیود بیان کرتا ہے۔ مثلاً اسلام وحدتِ نسل انسانی کا داعی ہے۔ وہ کسی ایسی جمعیت کو مستقل نہیں قرار دیتا جو انسانوں میں باہمی تفریق پر منتج ہو۔ جیسے رنگ و نسل، زبان و وطن، معاشرتی زندگی میں انہیں بنیادوں سے جمعیتیں بنتی ہیں۔ لیکن صرف وقت اور مکانی مصلحتوں کے لئے ہی مفید ہیں۔ انسان کے وسیع تر مفاد کے لئے بالکل مضر ہیں۔ اسلام اختلاف کی ان بنیادوں کو غیر فطری قرار دیتا ہے۔

فرد کی پہلی اجتماعی اکائی اس کا خاندان ہے۔ اس میں میاں بیوی، والدین، رشتہ دار، ہمسائے اور پھر عام انسانی برادری شامل ہے۔ اسلام نے ان میں سے ہر ایک کے متعلق تفصیلی

احکام دیئے ہیں، تاہم اسلام کے معاشرتی نظام کے کچھ بنیادی اصول اور خصوصیات ہیں۔ جن پر سارا معاشرتی ڈھانچہ استوار ہوتا ہے۔ اسلامی معاشرہ چونکہ فکری و اخلاقی معاشرہ ہے اس لئے ان اصولوں میں آپ کو اسی شان کی جھلک نمایاں نظر آئے گی۔(۱)

اجتماعی شعور پیدا کرنے اسے بیدار رکھنے اور اسے مؤثر بنانے کے لئے اسلام نے جو اقدامات کئے ہیں ان میں بہت ضروری فرد کا اپنا احساس ہے۔ فرد کو اس امر کا احساس دلایا گیا ہے کہ وہ اپنے گناہوں کا تنہا ذمہ دار ہے جو سزا اسے ملنی ہے اسے کوئی نہیں اٹھائے گا۔ معاشرتی جرائم کی ایک سزا تو اجتماعی ہے جسے معاشرے نے نافذ کرنا ہے۔ لیکن اس کا انفرادی معاملہ اس کے خدا کے ساتھ ہے۔ جسے اس نے ہی نمٹانا ہے۔ کوئی دوسرا اس میں شریک نہیں ہوگا۔ لہذا اسے اپنی ذمہ داریوں کا احساس رکھنا چاہئے۔ گویا اسے یہ نہیں دیکھنا کہ فلاں شخص نیکی نہیں کر رہا میں کیوں کروں؟ اسے تو صرف اپنا ہی دامن گناہوں سے محفوظ رکھنا چاہئے۔ اس کا معاشرتی فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص اپنا احتساب کرتا ہے اپنی اصلاح کرتا ہے اور اپنی برائیوں کے لئے دوسرے کو نمونہ نہیں بناتا۔ نتیجتاً یہ ہوتا ہے کہ اگر اکادکا کہیں کوئی نازیبا حرکت کا ارتکاب کر بیٹھے تو وہ اپنے آپ کو اجنبی محسوس کرتا ہے۔ عریاں سمجھتا ہے اور اصلاح کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ قرآن پاک نے اسے یوں بیان فرمایا ہے۔(۲)

عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ ط (۳)

اپنی فکر کرو جب تم سیدھی راہ پر چل رہے ہو تو جو شخص گمراہ رہے اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں۔

وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ج وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ج (۴)

اور جو کوئی (برا) فعل کرتا ہے تو اس کا نقصان اسی کو ہوتا ہے اور کوئی شخص کسی (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ قف وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ط (۵)

اگر اچھے کام کرتے رہو گے تو اپنے ہی نفع کے لئے اچھے کام کرو گے اور اگر برے کام کرو گے تو (ان کا) وبال بھی تمہاری ہی

جانوں پر ہو گا۔

لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ وہ اصلاح کی اجتماعی ذمہ داری سے بری ہو گیا وہ ذمہ داری اس کے سر ہے۔ حضور ﷺ نے اسے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیۃ (۶)

تم سب راعی ہو اور تم سب اپنے ماتحتوں کے بارے میں جواب دہ ہو۔

اسلام کا معاشرتی نظام ان اصولوں پر قائم ہے اور اپنی خصوصیات کی بدولت دنیا کے تمام معاشرتی نظاموں سے مختلف اور منفرد ہے۔ اسلام کا معاشرتی نظام خیر و صلاح، طہارت و تقدس، ہمدردی و خیر خواہی اور اعتدال و توازن پر قائم ہے۔ اس نظام میں انسان کی انفرادی اور اجتماعی بہبود کا پورا نظام موجود ہے۔ معاشرتی آداب کی تنظیم اور ان کی فائدہ مندی کا اندازہ آپ کو اس تفصیل سے ہو سکے گا جو اسلام نے مہیا کی ہے۔ میں یہاں صرف چند اہم تجاویز پیش کروں گی، لیکن اس سے قبل یہ عرض کروں گی کہ معاشرتی تباہی کا حل دنیا کی کسی تہذیب اور نظام میں موجود نہیں، اس دعوے کی مختلف وجوہات ہیں پہلے انہیں ملاحظہ کریں پھر تجاویز۔

اصلاح معاشرہ صرف اسلامی معاشرہ کے ذریعے ممکن ہے

موجود تہذیب کے زیر سایہ اور انسانی زندگی کے موجودہ خطوط کی بناء پر انسانی خصوصیات کیوں کر تباہ ہو رہی ہیں اور انسانیت کس طرح تباہی سے دوچار ہونے والی ہے اور اسلامی معاشرہ کا قیام کیونکر انسانی اور فطری ضرورت بن گیا ہے؟ ان سوالات کے جواب دینے کے لئے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اختصار کے ساتھ اس المیے کی چند اہم وجوہات بیان کر دیں۔

پہلی وجہ

اگرچہ مادے اور فنی اعتبار سے اس کو مختلف شکلوں میں ڈھالنے کے بارے میں ہمارا علم بڑی وسعت اختیار کر گیا ہے۔ مگر خود انسان کے بارے میں ہم بڑی گمبھیر جہالت میں

مبتلا ہیں اور ہم قطعاً اس قابل نہیں کہ انسان کے لئے کوئی ایسا مکمل اور جامع نظام بنا سکیں جو اس کے تمام پہلوؤں کو محیط ہو جو انسانی طبیعت اور خصوصیات کے مناسب ہو اور جو ان خصوصیات کی نموٗ اور ترقی کے دوران حفاظت کر سکے اور ان میں باہمی تناسق اور اعتدال برقرار رکھ سکے۔

دوسری وجہ

انسانی زندگی اس گمبھیر جہالت پر قائم ہونے کی بناء پر اندھیاروں میں بھٹک رہی ہے کیونکہ انسانیت اللہ کی بتائی ہوئی صراط مستقیم سے بھٹک گئی ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ انسان کی فطرت اور اس کی خصوصیات سے پوری طرح باخبر ہے اور اس کی بتائی ہوئی صراط مستقیم انسان کی فطری اور حقیقی ضرورتوں کو پورا کرتی اور انسانی خصوصیات کو نموٗ اور ترقی دیتی ہے، یہاں تک کہ انسان زمین پر اللہ کی خلافت کے فرائض انجام دینے کے قابل ہو جاتا ہے۔

تیسری وجہ

ایک ایسی مادی تہذیب کا وجود جو نہ انسان کے لئے مناسب ہے اور نہ انسانی خصوصیات کو مدنظر رکھتی ہے۔ بلکہ یہ مادی تہذیب انسان کے ساتھ برتاؤ ان پیمانوں سے کرتی ہے جن کو خود اس کی اپنی سائنس اور اپنے علوم نے جنم دیا ہے اور یہ مادی تہذیب انسان کے ساتھ برتاؤ ان حیوانی پیمانوں سے کرتی ہے جن کو خود اس کی جانوروں کے بارے میں تحقیقات نے وجود بخشا ہے۔

چوتھی وجہ

اس تہذیب کے زیادہ تر آثار ان قوموں میں نمایاں ہوئے ہیں جو مادی تہذیب میں عروج حاصل کر چکی ہیں اور مشینی اور حیوانی طریقۂ کار کو بہت بڑی حد تک انسانی زندگی پر منطبق کر چکی ہیں۔ اور ان قوموں نے انسان کی ان اصل اور بنیادی خصوصیات کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔ جو انسان اور حیوان میں فرق قائم کرتی اور انسان کو مشین سے ممتاز بناتی ہیں۔

اور اب ترقی یافتہ اقوام ہی میں تباہی کے آثار بھی ظاہر ہو رہے ہیں۔

مندرجہ بالا عناصر کو اگر تھوڑی سے وضاحت سے بیان کیا جائے تو اس المیے کی صحیح تصویر سامنے آسکتی ہے جس سے آج انسانیت گزر رہی ہے، خواہ اسے اس المیے کا احساس ہو یا نہ ہو اور اس عظیم مصیبت کی پوری پوری عکاسی ہو سکتی ہے، جس کی جانب انسانیت دوڑتی چلی جارہی ہے۔ ساتھ ہی اللہ کی رحمت کاملہ سے یہ امید بھی کی جاسکتی ہے کہ اگر انسانیت ندائے فطرت کو سن لے اور اللہ کی پکار پر لبیک کہدے تو وہ اس المناک انجام سے محفوظ رہ سکتی ہے۔(۷)

قرآن و سنت سے رہنمائی حاصل کی جائے

اس سلسلہ میں پہلی تجویز یہ ہے۔ اسلام کی بنیادی تعلیمات قرآن و سنت میں بیان کی گئی ہیں۔ لوگوں کے اندر زیادہ سے زیادہ ان کے مطالعہ کا شوق پیدا کیا جانا چاہئے اور قرآن و حدیث کے مضامین کو زیادہ سے زیادہ سہل انداز میں لوگوں تک تقریر و تحریر کے ذریعہ پہنچانا چاہئے اور لوگوں کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے مسائل کا حل قرآن و حدیث سے تلاش کریں اس لئے کہ یہی مسلمانوں کا آئین ہے۔ اگر ہم اپنی اور اپنے معاشرے کی اصلاح چاہتے ہیں تو وہ انہی تعلیمات کے ذریعے حاصل کی جاسکتی ہے۔ یعنی جن کاموں سے قرآن و سنت میں روکا گیا ہے ان سے رک جائیں اور جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے انہیں کریں گو کہ یہ ایک مشکل کام ہے لیکن اگر اس کے لئے کوشش کی جائے تو تھوڑے ہی عرصے میں واضح معاشرتی تبدیلیاں رونما ہوں گی یہ اسی وقت ممکن ہے جبکہ ہم اس بارے میں خود بھی مخلص ہوں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری خطبہ حجۃ الوداع میں یہ ضمانت دی تھی!

ترکت فیکم امرین کتاب اللّٰہ وسنتی

میں اللہ کی کتاب اور اپنی سنت چھوڑے جارہا ہوں اگر تم اسے
پکڑے رہے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے۔

سیرت نبوی ﷺ سے رہنمائی حاصل کی جائے

دوسری تجویز یہ ہے نبی کریم ﷺ نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا یا جن کاموں سے روکا ان پر سب سے پہلے خود عمل کیا اسی کا نام سیرت ہے۔ باہمی حقوق و معاملات کے تعین وادائیگی کے لئے ہمیں سیرت النبی ﷺ سے رہنمائی حاصل کرنی چاہئے۔ جس سے ہمیں پتہ چل سکے گا کہ نبی کریم ﷺ کی نشست و برخاست، خلوت و جلوت، رحمت و غضب، شفقت و محبت کی ادائیگی میں کیا انداز تھے کیا اسلوب تھے جن کے ذریعے آپ نے گمراہ قوم میں ایک انقلاب برپا کیا اور وہ برائیاں جو ان کی تہذیب و ثقافت کا حصہ بن چکی تھیں، جیسے شراب، سود، زناکاری، خواتین کی حق تلفی وغیرہ، آپ نے ان کو کیسے دور کیا اور کس طرح ان کے دلوں میں برائیوں سے نفرت پیدا کی۔ آج سے چودہ سو سال پہلے کا معاشرہ اگر نبی کریم ﷺ کی سیرت کی وجہ سے دنیا کا بہترین معاشرہ بن سکتا تھا تو اس سیرت نبویؐ میں آج بھی اتنی تاثیر ہے کہ اس کے ذریعے آج بھی معاشرتی انقلاب پیدا ہو سکتا ہے۔

اسلام کا نظام عدل زندگی کے ہر شعبہ میں نافذ کیا جائے

تیسری تجویز یہ ہے کہ کسی بھی معاشرے میں عدل کا اہم مقام ہوتا ہے اور یہی معاشرے کی اصلاح میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔

رسالت مابؐ کی سیرت طیبہ کے مختلف پہلوؤں میں عدل کا پہلو انتہائی نمایاں ہے۔ حجر اسود کے نصب کرنے سے لے کر فتح مکہ کے واقعات اس بات کا ثبوت ہیں کہ آپ نے عدل ہی کی بناء پر ایک ایسے معاشرے کو مثالی معاشرہ بنا کر پیش کیا جس میں ہر برائی اپنے عروج پر تھی۔

سیرتِ طیبہ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے اصلاحِ معاشرہ کے لئے اسلامی نظامِ عدل کا آغاز بے سر و سامانی کی حالت میں مکی زندگی ہی سے کر دیا تھا۔ مدینہ منورہ میں قیام کے بعد آپ نے اسے آئینی حیثیت دی اور اسلامی ریاست عدل کا گہوارہ بن گئی۔ اسلامی ریاست کے سربراہ کی حیثیت سے آپؐ نے نظامِ عدل کو زندگی کے ہر شعبے میں نافذ کیا اور اس کے نفاذ میں عدالت کے وقار کو بلند کیا۔ سفارش اور معاشرتی مقام جیسے موانع کی

حوصلہ شکنی فرمائی۔ نظامِ عدل کو بنیاد بنا کر انسانی عصمت، خصوصاً خواتین کی پاکبازی کی حفاظت کو قانونی شکل دی اور شوہروں کو بھی تنبیہہ کی کہ وہ اپنی شریکِ حیات کے بارے میں خوامخواہ شک و شبہے میں مبتلا نہ ہوں۔ اس نظام عدل نے مدینہ سے باہر کی ریاستوں تک وسعت اختیار کی، جس میں جبر اور خطا کا لحاظ رکھا گیا اور اس طرح اسلامی نظامِ عدل کو چار سو پھیلا کر انسانیت کو امن و سکون بخشا۔ آج بھی ہم سیرۃِ طیبہ کی روشنی میں اپنے نظامِ عدل کو نافذ کر کے اپنے معاشرے کی اصلاح کر سکتے ہیں، اگر ہم ایسا کرنے میں کامیاب ہوگئے تو نہ صرف ہمارے اہلِ وطن عدالتوں کے غیر ضروری لوازمات اور طویل انتظار کی زحمت سے چھٹکارا پالیں گے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ہمیں وہ برکتیں بھی حاصل ہو جائیں گی جو نظامِ مصطفیٰ ﷺ کے قیام کے صلہ میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے سبب عطا ہوتی ہیں اور یہی ہماری آخرت کی فلاح کی بھی ضمانت ہے۔ یہ دنیا کیا وہ دنیا بھی ہماری ہوگی۔ بات صرف رحمت للعالمین ﷺ سے وفاداری کی ہے۔(۸)

کی محمدؐ سے وفا تُو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام کے نظامِ عدل کا آغاز مکی دور میں ہی ہو چکا تھا اور نظامِ عدل کے بارے میں پہلی آیت مکہ مکرمہ ہی میں نازل ہوئی تھی۔(۹) جو نظامِ عدل کے لئے بیج کی حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے کہ عدالتی امور کی بجا آوری صرف اسی ریاست میں ہو سکتی ہے جہاں اقتدار بھی حاصل ہو اور یہی وجہ تھی کہ جناب رسالت مآب ﷺ نے ہجرت مدینہ کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اسلامی ریاست کے قیام کے عمل کے ساتھ ہی مسلمانوں میں بھائی چارہ قائم کر دیا۔(۱۰)

نظامِ عدل کے لئے آئین سازی کی جائے

مسلمانوں میں رشتہ اخوت قائم کرنے کے بعد یہودیوں، عیسائیوں اور مشرکین عرب سے ۵۲ دفعات پر مشتمل معاہدہ کیا گیا۔ جو سیاسی، مالی اور فوجی امور پر مشتمل تھا۔(۱۱) اور معاہدے کے سب فریق اس کے پابند تھے اور یہ پابندی اس اعتبار سے زیادہ اہم تھی کہ

معاہدے کی محرک کوئی عام شخصیت نہ تھی بلکہ وہ ذات گرامی تھی جس کے بارے میں خالق کائنات کا ارشاد ہے!

فَلَاوَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوافِي اَنفُسِهِمْ حَرَجًامِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًاO(۱۲)

اے محبوب (ﷺ) تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں، پھر جو کچھ تم حکم فرمادو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔

ایک اور آیت میں مسلمانوں کی کامیابی کا راز یہی بتایا گیا ہے کہ اللہ کے رسول کے حکم کو نہ صرف سنتے ہیں بلکہ اس کی مکمل پیروی بھی کرتے ہیں۔

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَO(۱۳)

اسلامی ریاست کا مرکز مدینہ منورہ تھا جہاں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود نظامِ عدل قائم فرمایا جہاں آپ کی ذات گرامی ہی اسلامی مملکت کے نظام کی سربراہ تھی۔ ہمیں بے شمار مقدمات ایسے ملتے ہیں جن کا فیصلہ آپؐ نے قرآن کریم کی تعلیمات کی روشنی میں فرمایا اور جب کوئی قرآنی نص موجود ہوتی تو آپؐ فقہی احکام کو واضح فرماتے۔

ہمیں سیرتِ طیبہؐ کے مطالعے سے ایسے فیصلے ملتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نظامِ عدل کے قیام کے لئے ضروری ہے کہ فیصلہ کسی بھی طرح رو و رعایت کے بغیر کیا جائے۔ عدالت کے مدِ نظر انسانی شخصیت نہیں بلکہ جرم کی نوعیت ہونی چاہئے چند نظائر پیش کئے جاتے ہیں۔

حضرت صفوان بن امیہ نے ایک شخص کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، جس نے ان کے کپڑے چرائے تھے۔ عدالتی کارروائی کے نتیجے میں اس کا جرم ثابت

ہو گیا، تو اس کے ہاتھ کاٹے جانے کا حکم دیا گیا۔ حالانکہ صفوان اسے معاف کرنا چاہتے تھے، لیکن عدل کا تقاضا یہ تھا کہ جرم ثابت ہو جائے تو سزا کا نفاذ کر دیا جائے۔(۱۴)

سزا کے نفاذ میں عدل کیا جائے

سزا کے نفاذ میں اکثر عزیز و اقارب اور سفارش و معاشرتی مقام مانع ہوتے ہیں، لیکن سیرت طیبہ سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟ توجہ فرمائیے!

غزوہ بدر کے قیدی مسلمانوں کے قبضے میں ہیں اور ان میں آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ بھی شامل ہیں، انصار نے اس خیال سے کہ یہ آپؐ کے قریبی عزیز ہیں، عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر اجازت دیں تو ان کا زرِفدیہ معاف کر دیا جائے۔ آپؐ نے فرمایا ہرگز نہیں، ایک درہم بھی معاف نہیں کیا جائے گا۔(۱۵) اس کے ساتھ ساتھ فاطمہ نامی خاتون کی چوری کا واقعہ عام ہے۔ جبکہ اس کی بھرپور سفارش کروائی گئی۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف سزا کو نافذ کیا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ فرمایا!

> ''اے لوگو! تم سے پہلے کے لوگ اس لئے ہلاک کر دیئے گئے کہ جب ان کا کوئی بڑا آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیا جاتا اور جب کوئی چھوٹا آدمی چوری کرتا تو اسے سزا دی جاتی۔(۱۶)

اسلام نے پاکباز خواتین پر بدکاری کی تہمت پر کڑی سزا مقرر کرتے ہوئے فرمایا!

> اور جو پاکباز عورتوں کو عیب لگائیں پھر چار گواہان پیش نہ کر سکیں تو انہیں اسی کوڑے لگائے جائیں۔(۱۷)

بلکہ شوہروں کو تنبیہہ کی کہ وہ اپنی بیویوں پر بلاوجہ شک و شبہ نہ کریں ورنہ ان پر حد قذف جاری ہو جائے گی اور اس کا عملی ثبوت ہمیں سیرت طیبہ سے اس طرح ملتا ہے کہ جب بلال بن امیہ نے اپنی بیوی پر تہمت زنا لگائی اور اسے ثابت نہ کر سکے تو انہیں اسی کوڑوں کی سزا دی گئی۔(۱۸)

یہ تو چند واقعات تھے، جو نظام عدل کی تصویر ہمارے سامنے سیرتِ طیبہ سے پیش کرتے ہیں، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ مملکت اسلامیہ کے گوشے گوشے سے مسائل حضور

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوتے اور آپ ان کا حل فرماتے، جن میں وراثت، ملکیت زمین پانی کے بارے میں اختلاف قرض اور حسب و نسب کے دعویٰ کے معاملات شامل ہوتے۔

ہر علاقے میں قاضی مقرر کیۓ جائیں

اسلامی حکومت اور نجران کے یہودیوں کے مابین یہ معاہدہ تھا کہ یہودیوں کو عقیدہ، فقہ اور قانون کی آزادی حاصل ہوگی، لیکن جب انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ انہیں ایک قاضی فراہم کیا جائے جو ان کے مابین جھگڑوں کا فیصلہ کرے تو آپؐ نے حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ کو اس غرض سے روانہ فرمایا تھا کہ وہ اسلام کے نظام عدل کی رو سے فیصلے کریں۔ اسی طرح عمان میں حضرت عمرو بن العاصؓ اور بحرین میں حضرت العلاء اسلامی حکومت کے نمائندے تھے۔ جن کا کام وہاں اسلام کے نظام عدل کو رائج کرتے ہوئے معاشرے کی اصلاح کرنا تھا۔(۱۹)

اصلاح معاشرہ کے لئے رسالت مآب ﷺ نے جس نظامِ عدل کی بنیاد ڈالی یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ آج بھی تاریخ نے وہ واقعات محفوظ رکھے ہوئے ہیں کہ خلفائے راشدین بھی عام آدمیوں کی طرح عدالتوں میں پیش ہوتے تھے اور آج بھی ہم اپنے معاشرے کی اصلاح اسی صورت میں کر سکتے ہیں جبکہ اپنے نظام عدل کو سیرت طیبہ کی روشنی میں قائم کریں۔ کیونکہ عدل ہی وہ اعلیٰ صفت ہے جو افراد و قوموں کو امانت و حکمرانی سے ہمکنار کرتی ہے جیسا کہ مفکر پاکستان حضرت علامہ اقبال نے فرمایا۔

سبق پڑھ پھر صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

نظامِ تعلیم کی اصلاح کر کے تعلیم کو فروغ دیا جائے

چوتھی تجویز یہ ہے معاشرے کی اصلاح میں تعلیم کو بنیادی اہمیت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی اہمیت کے پیش نظر صحابہ کرامؓ کو تعلیم کی طرف متوجہ کیا اور اسیران بدر کو دس دس افراد کے تعلیم یافتہ بنانے پر رہائی کے ساتھ مشروط کیا اور اصحاب صفہ

کی مستقل جماعت کا وجود اس کی اہمیت کو مزید واضح کرتا ہے۔ لہذا اگر ہم چاہتے ہیں کہ موجودہ معاشرے کی اصلاح کریں تو ہمیں تعلیم کو عام کرنا چاہئے، پورے ملک میں ایک جیسا نظام رائج کرنا چاہئے۔ جس میں مذہبی تعلیم کا غالب حصہ سیرت نبویؐ کی روشنی میں مرتب کرکے شامل کیا جانا چاہئے اور مذہب کی بنیادی چیزیں عقائد عبادات و معاملات کے حوالے سے بچوں کو زبانی یاد کرانی چاہئیں، قرآن کریم کو حفظ کرنے کا زیادہ سے زیادہ رواج ڈالنا چاہئے، تعلیم میں لڑکی اور لڑکے کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرنی چاہئے، کیونکہ دونوں ہی معاشرے کا بنیادی عنصر ہیں، بلکہ معاشرتی مسائل و معاملات پر خواتین کو خصوصی مضامین پڑھائے جانے چاہئیں۔ اس لئے کہ مردوں کے مقابلے میں خواتین معاشرے پر زیادہ اثرانداز ہوتی ہیں۔ خواتین کی تعلیم کے ساتھ ان کی تربیت پر بھی بھرپور توجہ دی جانی چاہئے۔ اس لئے کہ تعلیم و تربیت سے آراستہ تنہا ایک خاتون پورے خاندان پر اثرانداز ہوتی ہے اور ان کی اصلاح کا ذریعہ بنتی ہے۔ اس وجہ سے قرآن و حدیث میں خواتین کی تعلیم و تربیت کے خصوصی احکامات دیئے گئے ہیں۔

خواتین کے حقوق اور ان کے تحفظ کیلئے قانون سازی کی جائے

پانچویں تجویز یہ ہے مغربی اور مشرقی تہذیب میں خواتین کے ساتھ ثانوی سلوک کیا گیا، مغربی تہذیب میں اسے صرف جنسی تسکین کا ذریعہ سمجھا گیا اور مشرقی تہذیب میں بالخصوص ہندو تہذیب میں عورت کو مرد کی ملکیت قرار دیا گیا ہے اور جو حقوق اسلام نے اسے دیئے تھے وہ ان تہذیبوں کے غالب اثرات کی وجہ سے انہیں نہیں مل سکے۔ ہندو تہذیب میں عورت کو مرد کی ملکیت سمجھا گیا۔ بلکہ ستی اور بیوگی کی صورت میں اسے زندہ یا مردہ درگور کر دیا گیا۔ لہذا مغربی تہذیب جس میں کہ عورت کو صرف جنسی تسکین کا ذریعہ بنایا گیا اور اسی جنسی تسکین کے حوالے سے اسے پہلے کے مقابلے میں کچھ آزادی میسر آئی۔ اسی تہذیب کے پروردہ لوگوں نے بالخصوص خواتین کے حوالے سے اسلام کو بدنام کرنا شروع کیا ہے۔ اس بدنامی میں کچھ حصہ ہمارا بھی ہے کہ ہم نے ہندو تہذیب کے اثرات کی وجہ سے خواتین کو ان کا حق نہیں دیا۔ لہذا خواتین کو وراثت میں حصہ دینا لازمی قرار دیا جائے اور اسی طرح

ضرورت مند خواتین کی کفالت کا انتظام کیا جائے اور جو ملازمت کرنا چاہتی ہیں ان کے لئے اس کے مواقع پیدا کئے جائیں تاکہ وہ آزادانہ طور سے مخلوط ماحول سے بچ کر روزی کما کر اپنی اور اہل خانہ کی کفالت کر سکیں، ان کے لئے انصاف کا حصول آسان کیا جائے بلکہ انصاف انہیں ان کے گھر پر مہیا کیا جائے، شادی بیاہ کے رسم و رواج سے خواتین کی جو حق تلفیاں ہوتی ہیں ان کے لئے قانون سازی کی جائے۔

آج کل پاکستان میں عائلی قوانین کے تحت تمام شادیاں رجسٹر کرانی لازمی ہیں۔ شادی کے موقع پر ہونے والے تمام اخراجات کا اندراج نکاح نامے میں کرنا لازمی قرار دیا جائے اور اس میں لڑکے اور لڑکی کے والدین کا حلف نامہ داخل کیا جائے کہ واقعی شادی پر اتنا ہی خرچ ہوا ہے۔ نکاح رجسٹرار یعنی محلّہ کے مولوی صاحب نے تو اس حلف نامے کی تصدیق کرنی ہی ہوگی اور اس کی تصدیق کے طور پر اگر محلّہ کے چند معتبر آدمیوں کو شامل کر لیا جائے تو یہ تجویز زیادہ مؤثر ثابت ہو سکتی ہے۔ ویسے محلے کے مولوی صاحب کو شادی پر اٹھنے والے اخراجات کا علم ہوتا ہے۔ اگر یہ اخراجات قانونی حدود سے زیادہ ہوں تو وہ اس بارے میں متعلقہ حکام کو رپورٹ کرے تو اس رسم بد کے خاتمہ میں کافی مدد مل سکتی ہے۔

اہلِ محلّہ بھی اس سلسلہ میں اپنا کردار ادا کر سکتے ہیں۔ وہ ایسی شادیوں کا سوشل بائیکاٹ کر دیں تو حالات بڑی حد تک سدھر سکتے ہیں۔ اس سے ہمارے معاشرے سے نہ صرف یہ کہ رسمِ جہیز کے خاتمے میں مدد ملے گی، بلکہ بہت سے غریب خاندان جن کا ذہنی سکون اس رسم کی وجہ سے برباد ہو چکا ہے، سکھ کا سانس لے سکیں گے اور ان کے لئے اپنی بچیوں کی شادی کرنا مشکل نہیں ہوگا۔ یہ صرف معاشرے ہی کی خدمت نہیں ہوگی بلکہ اسلامی تعلیمات کے مطابق عبادت ہوگی۔ جس کا اجر اللہ تعالیٰ کی جانب سے بھی ملے گا۔(۲۰)

اس سلسلہ میں چند تجاویز پیشِ خدمت ہیں۔

۱۔ یہ قانون بنایا جائے کہ طلاق کے مؤثر ہونے کے بعد اگر شوہر ایک ماہ کے اندر اندر مہر ادا نہیں کرتا یا جہیز واپس نہیں کرتا تو وہ زیادہ سے زیادہ تین ماہ تک قید سادہ یا جرمانے دونوں کا مستوجب ہوگا۔

اس میں صرف اتنی ترمیم تو ضروری ہے کہ "طلاق کے موثر ہونے کے بعد" کے بجائے "عدت گزارنے کے بعد" کے الفاظ لکھے جائیں لیکن تجویز بڑی معقول ہے اور اس پر عمل کرنے سے انشاءاللہ تعالیٰ سدباب ہوگا۔

۲- فوجداری عدالت کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ زنا بالجبر یا عصمت دری کے مجرم کو مقررہ سزا دینے کے علاوہ اسے متعلقہ عورت کو مناسب ہرجانہ بھی دلوا سکے۔

اس تجویز میں اگرچہ زنا کے ساتھ موجودہ نظام قانون کے مطابق "بالجبر" کی قید موجود ہے جو شرعی لحاظ سے بالکل غلط ہے کیوں کہ شریعت میں ہر زنا حرام اور موجب سزا ہے، لیکن جہاں تک ہرجانے کی تجویز کا تعلق ہے وہ نہایت ضروری اور قابل تعریف تجویز ہے، بلکہ فقہاء نے ایسی عورت کے لئے "عقر" کے نام سے جو رقم تجویز کی ہے وہ عورت کے مہر مثل کے برابر ہوتی ہے۔ لہٰذا اس تجویز میں ہرجانے کے بجائے "عقر" ہی کی اصطلاح استعمال کرنی چاہئے اور اس تصریح کا اضافہ کرنا چاہئے کہ "عقر" کی مقدار اس عورت کے مہر مثل کے برابر ہوتی ہے۔ لہٰذا اس تجویز میں ہرجانے کے بجائے "عقر" کی مقدار اس عورت کے مہر مثل کے برابر ہوگی۔

۳- عورتیں اگرچہ شرعاً اور قانوناً میراث میں حصہ دار ہوتی ہیں۔ لیکن ملک کے بہت سے علاقوں میں مختلف حیلوں کے ذریعے انہیں میراث سے محروم رکھا جاتا ہے۔ مثلاً عورتوں سے اس قسم کی تحریریں لکھوالی جاتی ہیں کہ وہ اپنے حصہ میراث سے فلاں مرد کے حق میں دستبردار ہوگئی ہے۔ اس بدعنوانی کے انسداد کے لئے سفارش ہے کہ دیوانی عدالتیں ورثاء پر مشتمل سرٹیفکیٹ جاری کیا کریں اور وراثت سے متعلق تمام راضی ناموں اور سمجھوتوں پر روینیو آفیسر سے تصدیق کرانا ضرور ہو اور کسی عورت کی طرف سے میراث سے دستبردار ہونے کی تجویز اس وقت تک قانوناً قابل قبول نہ سمجھی جائے جب تک وہ سول جج سے مصدقہ نہ ہو۔

۴- فیملی کورٹ کو اس بات کا پابند کیا جائے کہ اگر کسی مقدمہ کے تصفیے میں چھ ماہ سے زائد گزر جائیں تو جج صاحبان ہائی کورٹ کے سامنے لازماً تاخیر کے اسباب بیان

کریں۔ نیز فیملی کورٹ کے مقدمات روزانہ سنے جائیں اور اگر کسی مقدمے کو ملتوی رکھا گیا تو اس کے اسباب ریکارڈ میں درج کرنا لازمی ہوگا۔

یہ انتہائی اہم تجویز ہے عورتوں کی مشکلات کا بہت بڑا بلکہ شاید سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ عدالتی کارروائی اتنی پیچیدہ اور طویل ہوتی ہے کہ غریب عورتیں اس کا تحمل نہیں کرپاتیں اسی لئے علماء عرصہ دراز سے اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ عدالتی طریقہ کار پر نظرثانی کرکے اسے سہل بنایا جائے۔ ہماری رائے میں اس مسئلہ پر مزید غور کی ضرورت ہے اور تجربہ کار ماہرین قانون کے مشوروں سے مقدمات کو تطویل اور تعویق سے بچانے کے لئے اور زیادہ مؤثر اقدامات کرنے چاہئیں بلکہ اس ضمن میں عورتوں کے لئے کورٹ فیس بالکل معاف کردینی چاہئے۔

۵- مہر، جہیز نیز نکاح سے متعلق تمام تنازعات کا تصفیہ فیملی کورٹ ہی میں ہونا چاہئے۔

اور اس تجویز سے واقعۃً عورتوں کی متعدد مشکلات دور ہوں گی۔ بحالاتِ موجودہ فیملی کورٹ کو طلاق اور فسخ نکاح کے مقدمات کا اختیار نہیں ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ عورت فسخ نکاح کا مقدمہ تو فیملی کورٹ میں دائر کرتی ہے لیکن جب وہاں سے نکاح فسخ ہوجائے تو مہر کی وصول یابی اور جہیز کی واپسی کے لئے عام دیوانی عدالت میں الگ سے دعویٰ دائر کرنا پڑتا ہے۔ اگر مذکورہ بالا سفارش پر عمل ہوجائے تو عورتوں کی یہ دوہری مشقت ختم ہوجائے گی۔ اور فسخ نکاح کے ساتھ اسی عدالت میں مہر اور جہیز کا تصفیہ بھی ہوسکے گا۔(۲۱)

میڈیا کے ذریعہ اثرانداز ہونے والی مغربی و مشرقی تہذیب کا مقابلہ کیا جائے

چھٹی تجویز یہ ہے۔ مغربی تہذیب و معاشرت مختلف انداز میں اثرانداز ہورہی ہے اور یہ کوئی نئی چیز نہیں۔ ہم سے پہلے جو مسلمان گزرے ہیں، ان پر بھی مختلف انداز میں اثرانداز ہونے کی کوشش کی گئی۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروق نے جب بیت المقدس کو فتح کیا۔ فاتحین کے بیت المقدس میں داخلے کے وقت یہودیوں نے اپنی خواتین کو

آراستہ و پیراستہ کر کے فاتحین کے سامنے کھڑا کیا تاکہ وہ گناہ اور زنا کے مرتکب ہوں اور اس فحاشی کے ذریعہ وہ مسلمانوں پر اثر انداز ہو کر غلبہ پاسکیں اور یہی صورتحال اس وقت پیش آئی، جب سلطان صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس کو فتح کیا تو مجاہدین کو خواتین کے ذریعے گھیرنے کی کوشش کی گئی۔ لیکن وہ پورے عزم اور حوصلے کے ساتھ اپنے دین پر قائم رہے اور ان کے پائے استقامت میں معمولی سی بھی جنبش پیدا نہیں ہوئی۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ ان کے قلوب میں اسلامی تعلیمات رچی بسی تھیں۔ اگر ہم آج اس ثقافتی یلغار کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں تو ہم اس ثقافتی یلغار سے آنکھ بند کر کے نہیں بچ سکتے بلکہ ہمیں اس سے بچنے کے لئے اپنے اندر اسلامی تعلیمات پر یقین اور پختگی کو پیدا کرنا ہوگا اور یہ پختگی تعلیمات سے آگاہی کے بعد ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ لہٰذا ہمیں چاہئیے کہ ہم صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لئے اسلامی تاریخ کا مطالعہ کریں اس سے ہمیں دونوں قسم کے لوگ نظر آئیں گے، ایک وہ جو اس مغربی فحاشی و عریانی کی زد میں آگئے، جیسے اندلس، قرطبہ اور بغداد کے حکمراں۔ جنہوں نے اپنا حرم اس قسم کی خواتین سے مزین کر رکھا تھا جس کے نتیجے میں خود بھی تباہ ہوئے اور ان کی حکومتیں بھی ختم ہو گئیں۔ اگر ہم بھی ان کے نقش قدم پر چلے تو ہمارا بھی وہی انجام ہو گا۔ دوسری طرف وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس تہذیب و ثقافت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ تاریخِ اسلام نے انہیں ہمیشہ یاد رکھا اور عزت کے ساتھ ان کا ذکر کیا۔

ہماری نظر میں فوری ضرورت اس بات کی ہے کہ کچھ ملت کا درد رکھنے والے اصحاب صرف اس ایک مقصد کو لے کر کھڑے ہوں اور اسی کو اپنی سوچ بچار اور جدوجہد کا موضوع بنائیں۔ دنیا کے چھوٹے چھوٹے مقاصد کے لئے بڑی بڑی انجمنیں اور جماعتیں قائم ہیں۔ لیکن کوئی ایسی انجمن نظر نہیں آتی جو خالص انسدادِ فحاشی کے لئے کام کر رہی ہو۔ اگر کوئی ایسی انجمن قائم ہو جائے اور اس کے اصحاب روزانہ کچھ وقت فارغ کر کے اس مقصد میں صرف کریں تو ابھی اصلاح کی کافی توقع کی جاسکتی ہے۔ اس انجمن کا طریقہ کار میری نظر میں حسب ذیل ہونا چاہئے۔

۱- عوام میں فحاشی و عریانی کے خلاف مدافعانہ شعور بیدار کرنا۔ اس غرض کے لئے تقاریر اور مذاکروں کا انعقاد اور تبلیغی لٹریچر کی تقسیم۔

۲- اخبارات کے مدیروں سے ملاقات کر کے انہیں اس بات پر آمادہ کرنا کہ وہ اپنے جرائد میں فحش تصویروں، عریاں اشتہارات اور غیر اخلاقی خبروں اور مضامین کا مکمل بائیکاٹ کریں۔ مدیران جرائد میں غالب اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جنہیں ذاتی طور پر فحاشی کی ترویج کا شوق نہیں، لیکن وہ بغیر سوچے سمجھے زمانے کی رو پر بہہ رہے ہیں اور اگر انہیں افہام و تفہیم کے ذریعہ قائل کیا جاسکے تو شاید ان کے دل میں کوئی احساس پیدا ہو اور وہ اپنی اس روش کو بدل سکیں۔

۳- جو اخبارات اپنی روش سے باز نہ آئیں عوام ان کا بائیکاٹ کر کے انہیں فحاشی و بے حیائی کی روش ترک کرنے پر مجبور کریں۔

۴- ریڈیو اور ٹی وی کے ذمہ داروں سے معزز شہریوں کے وفود ملاقات کریں اور انہیں فحاشی و بے حیائی کے پروگراموں سے روکنے کی کوشش کی جائے۔

۵- عوامی وفود حکومت کے ذمہ داروں کے پاس پہنچیں اور اس سنگین صورتحال کے خلاف اپنے جذبات سے آگاہ کریں۔ نشرو اشاعت کے ذرائع ہر معاملے میں حکومت کی پالیسی کا رخ دیکھتے ہیں اور اس کے مطابق اپنے عمل کا ڈھانچہ تیار کرتے ہیں۔ موجودہ بے لگامی کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ ان کو اس بات کا یقین ہے کہ حکومت اس قسم کے اقدامات کو ناپسند نہیں کرتی۔ اس کے برخلاف اگر انہیں اس بات کا احساس دلایا جائے کہ فحاشی و عریانی کا یہ انداز حکومت کی پالیسی کے خلاف ہے تو اس بے لگام ذہنیت میں ضرور کمی آئے گی۔

۶- حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف دونوں کے قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے ارکان سے ملاقات کر کے انہیں اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ وہ "انسداد فواحش" کے لئے ایک جامع قانون اسمبلی کے ذریعہ منظور کرائیں جس کے ذریعہ ملک بھر میں عریانی و فحاشی کے تمام اقدامات پر پابندی لگائی جاسکے۔

۷- عوام میں اس بات کی تحریک چلائی جائے کہ وہ ٹیلی ویژن کے ایسے پروگراموں کا قطعی بائیکاٹ کریں گے جو شرم و حیاء کی روایات کے خلاف ہیں۔

یہ کام ایک دو روز میں پورا ہونے والا نہیں۔ اس کے لئے مسلسل جدو جہد، متواتر

عمل اور مستقل سوچ بچار کی ضرورت ہے۔ جب تک کوئی معین جماعت اس کام کے لئے کھڑی نہیں ہوگی اس وقت تک اس کی اہمیت محسوس کرنے والے حضرات بھی اسے آج سے کل اور کل سے پرسوں پر ٹالتے رہیں گے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ جو جماعت یا انجمن یہ کام لے کر اٹھے اس کے اوپر کوئی سیاسی چھاپ نہ ہو۔ اس میں ہر شعبہ زندگی کے افراد شامل ہوں اور وہ صرف اس محدود کام کو اپنا محور و مقصد بنا کر سرگرم ہوں۔ کام شروع کرنے کے بعد اسے خود اس کے نئے نئے راستے نظر آئیں گے اور دل میں اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کا شوق، اسلام کے لئے خلوص اور ملت کا سچا درد ہو تو ایسی کاوش رائے گاں نہیں جاسکے گی، اللہ تعالیٰ کچھ حساس دلوں میں اس کام کی اہمیت پیدا فرمادے جو وقت کی اس اہم ضرورت کو پورا کرسکیں۔(۲۲)

باہمی اتحاد کے ذریعہ مشترکہ کوششیں کی جائیں

ساتویں تجویز یہ ہے کہ دنیا میں کوئی بھی کام باہمی اتحاد و اتفاق کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ آج مسلمانوں کی بدقسمتی یہ ہے کہ باہمی اتحاد نہیں رہا، ایک مقصد و منزل ہونے کے باوجود باہم دست و گریباں ہیں، فرقہ واریت ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ تمام قوتیں جو تقسیم کار کے طور پر مختلف دائروں حلقوں اور میدانوں میں اسلام کے غلبہ و نفاذ کے لئے جدوجہد کررہی ہیں ان کے کارکنوں اور قائدین کا اجتماعی اور انفرادی فریضہ ہے کہ وہ ایک دوسرے کی کوششوں کی قدر افزائی کریں۔ آپس میں یگانگت اور باہمی قربت و قرابت کے امکانات کو زیادہ سے زیادہ بڑھاوا دیں اور ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی اور ایک دوسرے کی حوصلہ شکنی اور ناقدر شناسی کے رجحانات و میلانات کی حوصلہ شکنی کریں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمارا یہ بھی فریضہ ہے کہ اتحاد بین المسلمین کے نصب العین کو ایک محسوس حقیقت بنانے کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں۔ عالم اسلام کے دائروں میں قدیم اور جدید کے نام سے دشمنان اسلام نے جو خلیج پیدا کر رکھی ہے اسے پاٹنے کی کوشش کریں۔ مسٹر اور مولوی کو ایک دوسرے کے قریب لائیں اور اسی طرح سیاسی و مذہبی دائروں میں جو فرقے اور سیاسی پارٹیاں پیدا ہوچکی ہیں ان کے اندر سے اختلاف و افتراق کے عناصر

اور جراثیم کو کم سے کم تر کرنے کی کوشش کریں۔ پھر علماء و صوفیاء کے حوالے سے جو الگ الگ حلقے ہیں ان کے مابین قرب و اقتراب پیدا کرنے کی کوشش کریں۔(۲۳)

☆

حواشی و حوالہ جات

۱۔ اسلام کا معاشرتی نظام، خالد علوی، ص ۲۳-۲۴،
۲۔ اسلام کا معاشرتی نظام، ص ۳۷، ۳۸،
۳۔ سورۃ المائدہ آیت ۱۰۵،
۴۔ سورۃ الانعام آیت ۱۶۴،
۵۔ سورۃ بنی اسرائیل آیت ۷،
۶۔ صحیح بخاری، ج ۲/ص ۵۷،
۷۔ اسلام اور مغرب کے تہذیبی مسائل، ص ۳-۴،
۸۔ مقالاتِ سیرت، ص ۲۸۵،
۹۔ سورۃ صٓ، آیت ۲۰،
۱۰۔ البدایۃ والنھایۃ لابن کثیر، ج/۳،
۱۱۔ الکامل فی التاریخ، لابن اثیر،
۱۲۔ سورۃ نساء، آیت ۶۵،
۱۳۔ سورۃ نور، آیت ۵۱،
۱۴۔ سنن ابی داؤد،
۱۵۔ صحیح بخاری،
۱۶۔ سنن ابن ماجہ،
۱۷۔ سورۃ نور، آیت ۴،
۱۸۔ حد قذف سے مراد جھوٹی تہمت لگانے پر ۸۰ کوڑے کی سزا،
۱۹۔ مقالاتِ سیرت، ص ۲۸۴-۲۸۵،
۲۰۔ اسلامی تہوار اور رسومات، ص ۲۲۶،
۲۱۔ اصلاح معاشرہ، محمد تقی عثمانی، ص ۱۰۰-۱۰۲،
۲۲۔ اصلاح معاشرہ، ص ۱۴-۱۵،
۲۳۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یورپی سازشیں، ص ۴۹،
۲۴۔
۲۵۔